دلوں کو چیر گئی اس کی شوخیٔ گفتار

چراغ درد دلوں میں جلا کے چھوڑ گیا
وہ ساری قوم کو اپنا بنانے کے چھوڑ گیا

تمام عمر جلاتا رہا ہے شمع وفا
وہ جس کا ثانی زمانے میں دوسرا نہ ہوا

وہ ایک صبح کی خاطر تمام رات جلا
مثال شعلۂ پروانہ تا حیات جلا

رہا ہے برسرِ پیکار زور باطل سے
ہوا نہ آشنا اک بار لطف ساحل سے

تمام عمر مقدر میں قید و بند رہی
مگر یہ تلخیٔ دوراں اسے پسند رہی

قدم قدم پہ نیا ایک امتحان رہا
مگر وہ اپنے مقاصد کا ترجمان رہا

وطن کے باغ میں تازہ بہار چھوڑ گیا
وہ حریت کی حسیں یادگار چھوڑ گیا

خلوص و مہر کی تفسیر بن کے آیا تھا
حسین خواب کی تعبیر بن کے آیا تھا

رہا نہ ہم میں وہ سرمایۂ نظر یارو
وہ بجھ گیا ہے مگر کرگیا سحر یارو

وہ اک فسانہ تھا جس کے ہزار عنواں تھے
وہ ایک پھول تھا جس میں کئی گلستاں تھے

تھی اس کی حسن تلاوت میں بارشِ انوار
دلوں کو چیر گئی اس کی شوخیٔ گفتار

زباں ایسی فصاحت بھی جس پہ اترائے
وہ دے گیا ہے بلاغت کے ہم کو سرمائے

دلوں کو گرمیٔ احساس سے گداز کرے
وہ جس پہ فن خطابت ہزار ناز کرے

وہ ایک پیکر احساس عزم کا کہسار
ہرایک رنگ ہر اک حال صاحب کردار

رہا ہے حلقۂ یاراں میں مثل موج صبا
وہ خلوتوں کا اجالا، وہ جلوتوں کی ضیاء

وہ بزم شعر کی رونق وہ محفلوں کی بہار
وہ حسن خلق و محبت کا دلنشیں شہکار

نگاہ میں ہیں وہ پرلطف صحبتیں کیا کیا
سنی ہیں شاہ سے ہم نے حکایتیں کیا کیا

ہر ایک لفظ تھا تاریخ زندگانی کی
ہر اک کڑی تھی دلاویز اس کہانی کی

تھا اس کے فقر میں انداز کجکلاہی کا
لباس سادہ میں پنہاں تھا رعب شاہی کا

رموز عشق سرِدار کھولنے والا
صداقتوں کو ترازو میں تولنے والا

جنون و شوق کے ہم پر کھلے نئے ابواب سکھائے اس نے ہمیں بزم و رزم کے آداب
وہ ایک نغمہ کہ اب بھی دلوں میں بستا ہے وفور شوق کا شاداب اب بھی رستا ہے
ہر ایک دل کو دیا سوز آگہی اس نے مرے سخن کو عطا کی ہے دل کشی اس نے
خدا کرے کہ ہو قبر اس کی مطلع انوار وہ جس نے قوم کو بخشی ہے دولت بیدار

اسی کی یاد ہے حافظ متاع غم میری
خراج شاہ کو دیتی ہے چشم نم میری

حافظ لدھیانوی
فیصل آباد

امیر شریعت کی مجلس میں

میں جب خیر المدارس (ملتان) میں زیر تعلیم تھا۔ اپنے برادر مکرم مولانا عزیز الرحمٰن خورشید کی معیت میں قریب قریب ہر جمعہ کو کاشانۂ امیر شریعت پر حاضری دیتا۔ ظاہر ہے کہ وہ دور (۶۰-۱۹۵۹ء) اس عظیم انسان کے چل چلاؤ کا دور تھا۔ لیکن بذلہ سنجی، شگفتہ مزاجی اور ایک عظیم انسان کی تمام خصوصیات اس وقت بھی بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اور ان کا جذبۂ انسانیت، تعلق مع اللہ، عشق رسالت، فرنگی اور اس کے مذہبی وسیاسی حواریوں سے برگشتگی تو عروج پر تھی۔

اپنی عمر ایسی نہ تھی کہ اس سے زیادہ کچھ اخذ کر سکتا۔ کہہ سکتا ہوں کہ پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایسا امتی تھا جس کے دل میں انسانیت کا درد و غم کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ پر افسوس کہ فرنگی تہذیب کے دلدادگان نے یہاں نفرت وحقارت کی جو فضا پیدا کی اس کے پیش نظر انسان انسان کا دشمن ہو گیا۔ اور قتل وغارت گری جو کلکتہ، کوہاٹ اور نواکھلی سے چلی تھی وہ ۱۷-۱۹۷۰ء میں مشرقی پاکستان مرحوم سے ہوتے ہوئے اب مختلف حوالوں سے کراچی، حیدر آباد، کاغان، گلگت اور مختلف شہروں کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔

آسمان شملہ سے اترنے والی وحی کے بل بوتے پر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے نام سے مفاد پرستوں کا جو ٹولہ بنا اس کے کرتوتوں کے برگ وبار سامنے آئے ہیں۔ بر عظیم کے مسلمانوں کی تقسیم در تقسیم کا مکروہ عمل برابر جاری ہے۔ اور معلوم نہیں کہ یہ کھیل کب ختم ہو گا۔

مختلف تقاریر بالخصوص دہلی تقریر کی شاہ جی کی پیشین گوئیاں حرف بہ حرف سامنے آ رہی ہیں۔ اے کاش! نوائے وقت اور اس قماش کے اخبارات ورسائل اور انکے صحافی شرم وحیاء کا مظاہرہ کرتے اور بلا نوشان محبت کے اجلے کفنوں کو داغدار کرنے کی بجائے ان بزر جمہروں کی خبر لیتے جنھیں آئینی دفعات کے سہارے قیادت کے منصب پر فائز کیا گیا ہے۔

محترم سعید الرحمٰن علوی